حصّہ اُردو

محمد ممتاز خان

سرائیکی میں ’ہیر رانجھا‘ کے منظوم قصوں کا تعارفی، تنقیدی مطالعہ

Abstract:

Historically Siraiki language and literature belongs to Indus valley civilization. This great civilization is considered the oldest civilization of the world. Indus valley civilization is considered the centre of knowledge and wisdom. Siraiki is one of most ancient language of this valley, which has strong traditions of literature. Damodar Das is the first prominent poet who composed the famous folk love story Heer Ranjha in Siraiki. The characters of the folk love story have become immortal. Many a siraiki poets have composed this romance due to its popularity. This article presents the introductory and critical evaluation of the story versified by different poets in Siraiki.

کسی بھی زبان میں تخلیق ہونے والے ادب کا مطالعہ محض انسانوں کی روحانی تسکین اور ذہنی مسرت کا باعث ہی نہیں بنتا بلکہ ان کی زندگی کا لباس اور حسن جمالیات کے اظہار کا محرک بھی بنتا ہے۔ ادب انسان کی خواہشوں اور امنگوں کا عکاس بھی ہوتا ہے اور کسی بھی زبان کے گزرے وقتوں کی راویتوں کا امین بھی۔ کسی بھی خطے کی زبان میں تخلیق ہونے والا ادب اس کی بقا کا ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ اس بولی بولنے والے لوگوں کے روحانی ارتقاء کو سمجھنے میں مدد بھی دیتا ہے۔ سرائیکی، وادی سندھ کی ایک قدیم زبان ہے، جس میں بہت سارے علاقائی اور غیر علاقائی رومان نظم کیے گئے، لیکن جو شہرت ’ہیر رانجھا‘ اور ’سسی پنوں‘ کو نصیب ہوئی، وہ شاید کسی دوسری داستان کے حصے میں نہ آسکی۔ ’داستان ہیر رانجھا‘ کے کردار عشق و محبت کی لازوال علامت کا روپ دھار چکے ہیں۔ سرائیکی زبان کے کئی شعراء نے اس رومان کو موضوع سخن بنایا۔ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز داستان ہیر رانجھا کی جغرافیائی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خیال رہے کہ قصہ ’ہیر رانجھا‘ خالص سرائیکی علاقے کا قصہ ہے۔ رنگ پور کھیڑا ضلع مظفر گڑھ کا حصہ ہے، اوراحمد پور سیال بھی ایک وقت میں اسی ڈویژن میں واقع تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ’ہیر رانجھا‘ کے سب سے زیادہ منظوم قصے بھی ضلع مظفر گڑھ کے شعراء نے لکھے ہیں“۔ [۱]

سرائیکی زبان میں اب تک ہیر رانجھا کے چھوٹے بڑے ۲۳ قصے منظوم کیے جاچکے ہیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

۱۔ دمودر داس دمودر۔ ہیر دمودر

۲۔ چراغ اعوان۔ چراغ اعوان دی ہیر

۳۔ علی حیدر ملتانی۔ بطرز سی حرفی

۴۔ سید اکبر شاہ۔ بطرز سی حرفی

۵۔ مولوی نورالدین مسکین۔ مکمل قصہ ہیر رانجھا

۶۔ مولوی عبید اللہ ملتانی۔ ہیر وجوگی مولوی عبید اللہ (بطرز سی حرفی)

۷۔ احمد بخش غافل۔ غافل دی ہیر

۸۔ خادم مکھن بیلوی۔ ہیر رانجھا بطرز سیفل

۹۔ شیخ امیر مجروح۔ قصہ ہیر سیال ومیاں رانجھا

۱۰۔ حمل خان لغاری۔ھیر ۽ سندس ماءُ ۽ عزیزن وچ ھر سوال جواب.

۱۱۔ سید امیر حیدر میرنؔ۔ مکمل قصہ ہیر رانجھا

۱۲۔ سوبھا شجاعبادی۔ ہیر سوبھا

۱۳۔ سید جلال کلیم۔ قصہ ہیر ورانجھا (قلمی)

۱۴۔ احمد دین جھنگوی۔ تحفہ ءعشق (قلمی)

۱۵۔ نورنؔ گدائی۔ ہیر رانجھا (بطرز ناٹک)

۱۶۔ غلام حیدر سودائی۔ ہیر سودائی (قلمی)

۱۷۔ حسرت ملتانی۔ ہیر رانجھا (بطرز ناٹک)

۱۸۔ کریم بخش واصل۔ ہیر رانجھا (بطرز ناٹک)

۱۹۔ غلام محمد جھمٹ۔ قصہ ہیر رانجھا

۲۰۔ ایاز سہروردی۔ درِ بحر طویل ”مختصر قصہ ہیر رانجھا درس صوفیانہ“

۲۱۔ غلام رسول انصاری۔ ہیر ورانجھا (قلمی)

۲۲۔ محمد مٹھا۔ ہیر رانجھا (قلمی)

۲۳۔ روشن۔ قصہ ہیر رانجھا (قلمی)

ہیر رانجھا کے مذکورہ ۲۳ قصوں میں سے دمودر داس دمودر، چراغ اعوان، مولوی نورالدین مسکین، احمد بخش غافل، خادم مکھن بیلوی، سوبھا شجاع آبادی، سید جلال کلیم اور شیخ امیر مجروح کے قصے خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کا تعارف اور عمومی تنقیدی جائزہ اس مقالے میں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ دمودر داس دمودر:

دمودر داس کی ذات اور اس کے عہد کے متعلق محققین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بابا گنگا سنگھ بیدی ہیر دمودر کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

”دمودر ذات کا گلھاٹی ہندو اور چنیوٹ کے علاقے ’ ولہاراں‘ کا رہنے والا تھا۔ اس کا مذہب ہندو تھا، لیکن عملاً اس پر سکھ مت کی رنگت نمایاں نظر آتی ہے۔ پہلے یہ ’ولہاراں‘ میں مقیم تھا، لیکن وہاں سے سکونت ترک کر کے جھنگ آن آباد ہوا۔ اور یہاں پر دکان بنا ڈالی“(۲)

خود دمودر نے ہیر دمودر میں اپنے نام، ذات اور مقام کا پتہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

ناؤں دمودر ذات گلھاٹی آیا سِک سیالیں
اپنے من وچ مسلت کیتی ، بیٹھ اتھائیں جالیں
وڈیا ونج چوچک دے شہرے جتھے سیال ابدالیں
آکھ دمودرؔ خوش ہوئیس ویکھ اُنہاں دیاں چالیں(۳)

محمد آصف خاں، بابا گنگا سنگھ بیدی کے اس بیان سے متفق نظر نہیں آتے کہ دمودر چنیوٹ کے علاقے ولہاراں کا رہنے والا تھا کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق چنیوٹ میں ولہاراں نام کی کسی بستی کے آثار نہیں ملے۔ البتہ انہوں نے جھنگ سے شاہ جیوناں روڈ پر موجود ”سلطان پور“(۴) نام کی بستی کی نشاندہی کر کے بتایا ہے کہ یہاں پر گلھاٹی ذات کے ہندو آباد تھے۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، دمودر کا عہد ۱۴۸۶ء تا ۱۵۶۸ء مقرر کرتے ہیں۔(۵) ڈاکٹر طاہر تونسوی نے دمودرداس کو اکبر اعظم کے زمانے (۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء) کا بتایا ہے۔(۶) لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اکبر اعظم تو ۱۶۰۵ء میں فوت ہو گیا تھا۔ عذرا وقار کے مطابق:

”یہ ہندو شاعر بہلول لودھی کے عہد میں پیدا ہوا اور کبر کے عہد میں اس نے اس قصے کو نظمایا“(۷)

محمد اصغر سیال اپنے مقالے میں دمودر کے عہد کی مذکورہ بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دمودر بہلول لودھی کے عہد میں پیدا ہوا، لیکن اس نے اپنا قصہ ۹۸۳ھ تا ۹۹۷ھ کے درمیان لکھا۔ دمودر نے کافی بڑی عمر پائی اور یہ قصہ اس نے اپنے عمر کے آخری سالوں میں نظم کیا۔“(۸)

کیفی جامپوری اپنی کتاب ’سرائیکی شاعری‘ میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”سب سے پہلے یہ قصہ دمودر داس اُروڑہ سکنہ قصبہ جھنگ نے لکھا ہے۔ اُس نے یہ قصہ راجہ رام کھتری سکنہ بھیرہ سے سنا جو اس کا عینی شاہد تھا۔ دمودر اس داستان کو اکبر اعظم کے زمانے کی داستان بیان کرتا ہے۔ یہ گویا سرائیکی زبان کا پہلا نسخہ ہے۔“(۹)

پنجاب زبان کے معروف محقق مولا بخش کشتہ نے اپنی کتاب ’پنجاب شاعری دا تذکرہ‘ میں ہیر دمودر کی زبان کے متعلق رائے دیتے ہوئے اسے لہندی قرار دیا ہے۔ اُن کے مطابق: ”بولی لہندی ہے فارسی اور ملتانی لفظوں کی

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

ملاوٹ زیادہ ہے۔"(۱۰)

عبدالغفور قریشی اپنی کتاب 'پنجابی ادب دی کہانی' میں لکھتے ہیں: " بولی میں لہندی ملتانی سرائیکی رنگ نمایاں ہے۔ عربی فارسی الفاظ کا اثر بھی زیادہ ہے۔"(۱۱)

محمد سرور " پنجابی ادب "میں لکھتے ہیں:" دمودر نے ہیر رانجھا لہندی یعنی جھنگ اور ملتان کی ملی جلی زبان میں لکھی ہے۔"(۱۲)

دمودر کا قصہ پہلا ہونے کے ناتے بعد کے تمام لکھاریوں پر کسی نہ کسی حوالے سے ضرور اثرانداز ہوتا ہے۔ یہ اثرات کہیں زیادہ تو کہیں کم دکھائی دیتے ہیں، لیکن بنیادی کہانی ایک ہی ہے۔ اصغر علی سیال کے مطابق:

" دمودر نے ہیر رانجھا کا قصہ لکھ کر اور اُس پر 'آنکھوں دیکھا' کی مہر لگا کر ایک تصویر بنادی، اس تصویر میں بعد میں آنے والے شعراء اپنی اپنی پسند اور مرضی کے مطابق رنگ بھرتے رہے "(۱۳) دمودر کا قصہ کل ۹۶۰ بندوں پر مشتمل ہے، جن میں اکثر بند چار چار مصروں کے ہیں۔ قصے میں شاعرانہ ہنرمندی کم اور سادہ زبان استعمال کی گئی ہے۔ دمودر نے اپنے قصے میں رانجھے کے والد کا نام معظم ہیر کی والدہ کا نام کنڈی ہیر کے خاوند کا نام صاحبا کھیڑا اور صاحبا کھیڑا کے والد کا نام علی کھیڑا بتایا ہے۔ جبکہ ہیر وارث شاہ میں رانجھے کے باپ کا نام موجو ماں کا نام ملکی سہتی کے بھائی کا نام سیدا کھیڑا اور سیدا کے والد کا نام اجو کھیڑا لکھا گیا ہے۔ دمودر ہیر رانجھے کو کوٹ قبولے سے تین میل کے فاصلے پر غائب ہوتے دکھاتا ہے جبکہ وارث شاہ نے ہیر کی موت کا سبب والدین کے ہاتھوں زہر پینا بتایا ہے۔ البتہ مقبل اپنی ہیر کا اختتام دونوں کی مکہ معظمہ روانگی پر کرتا ہے۔ دمودر نے اپنی ہیر میں دیہاتی زندگی کے رسم و رواج کی عکاسی بہت خوبصورت انداز میں کی ہے۔

۲۔ چراغ اعوان کیفی جام پوری کے مطابق:

" کوہ سلیمان کے دامن میں درہ چاچڑ کے قریب سکھوں کے عہد کا بنا ہوا قلعہ ہڑنڈ ہے جسے ملتان کے حاکم دیوان ساون مل نے تعمیر کروایا تھا۔ اس قلعہ کے قریب موضع کھیڑی کی ایک چھوٹی سے بستی 'میاں صاحب' میں خواجہ محمد عاقل شائق وجوگی جیسی دو یگانہ روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں جن کو اگر موافق ماحول میسر آجاتا تو ان کے علمی کارناموں سے دنیا گونج اٹھتی۔ چراغ اعوان اسی بستی میں ۱۰۹۰ھ میں پیدا ہوا۔ ملتان اور بہاولپور کا پاپیادہ سفر کیا اور یہاں کہ مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ آپ کا انتقال ۱۱۴۵ھ میں ہوا۔ ہر سال چیت کی آخری جمعرات کو ان کا میلہ لگتا ہے جسے 'چراغ شاہ دا میلہ' کہا جاتا ہے۔"(۱۴)

چراغ اعوان پنجابی شاعر احمد قوی کا ہم عصر تھا۔ اس نے اپنا قصہ 'ہیر و رانجھا' احمد قوی سے ۱۷سال بعد جبکہ مقبل سے ۳۸سال اور وارث شاہ سے ۵۹سال پہلے تحریر کیا۔ چراغ نے اپنی مثنوی 'ہیر رانجھا' ۱۱۲۱ھ کو مکمل کی وہ قصہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

پُنی ہیر تمام تھئی تاریخ پنجم شعبانی
یارہاں سئے سن سال اکویوں سن مومن دل جانی (۱۵)

اس مثنوی کا ایک نسخہ ابوالعلائی سٹیم پریس آگرہ سے شمس الدین، منورالدین، تاجران کتب ملتان نے ۱۳۰۱ھ میں شائع کروایا۔ یہ نستعلیق میں ہے اور اسکا عکسی نسخہ مقالہ نگار کے پاس موجود ہے۔ کیفی جام پوری نے عین الحق فرید کوٹی کی لائبریری میں موجود ایک نسخے کی نشاندہی کی ہے جو عربی رسم الخط میں ہے اور اسے ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھنے والے تاجران کتب حافظ اللہ ڈتہ و خدا بخش نے اینگلو سٹیم پریس، لاہور سے شائع کروایا۔ نسخہ کا کاتب کیونکہ سرائیکی زبان سے مکمل طور پر واقف نہیں تھا اس لیے اس میں بہت زیادہ غلطیاں موجود ہیں۔ کیفی جام پوری نے ان دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر ایک معتبر نسخہ تیار کیا جو تاحال غیر مطبوعہ حالت میں ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اس مثنوی کی ترتیب و تہذیب کر کے ایک ضخیم مقدمے کے ساتھ اسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے شائع کروادیا ہے۔ کیفی جام پوری کے مطابق: "معلوم ہوتا ہے چراغ نے یہ قصہ کسی داستان گو سے سن کر نظم کیا ہے۔ قصے کے دو مشہور کردار کیدو لنگ اور سہتی کا ذکر تک نہیں"۔(۱۶)

چراغ اعوان نے شاعرانہ صداقت اور رنگ آمیزی کے بل بوتے پر اس قصے میں منظر نگاری کے وہ رنگ جمائے ہیں کہ قاری خود کو قصے کا ایک کردار محسوس کرنے لگتا ہے۔ قصے میں بیان ہوئے رسم و رواج اور ثقافتی مناظر متاثرکن اور دلفریب ہیں:

گوناں گوں عجائب کھانڑیں رکھدے آن بٹھارے
ست پڑ نان، فلودے لچھیاں خوش اطوارے
تلییے ماس اُتے بئ یخنی نان فروش ہزارے
خوشبو ناک کباب تھئے ، بیتاب شتاب تیارے (۱۷)

ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر کے مطابق:

"چراغ اعوان کی ہیر آج سے تین صدیوں پہلے کے سرائیکی تمدن کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ چراغ نے اپنے قصے میں بڑی تفصیل کے ساتھ شادی بیاہ کی رسموں، لباس، زیورات، کھیل، جھمر اور دوسری وسیبی رسموں ریتوں کی بھرپور عکاسی کی ہے۔"(۱۸)

چراغ کی ہیر میں دمودر کی طرح رانجھے کے باپ کا نام بھی معظم ہے۔ قصے میں رانجھے کے گھر چھوڑنے کی اصل وجہ بھابیوں کے طعنے بتائی گئی ہے اسی طرح جوگی کا نام جگ ناتھ، ہیر کے خاوند کا نام ہلاول کھیڑا جبکہ رانجھے اور ہیر کا ملاپ کروانے والی عورت کا نام 'میاں' درج کیا گیا ہے۔ قصے کے منظر نامے میں جب کھیڑوں کی خواتین مقامی ناچ 'جھمر' ڈالنے کے لیے پہنچتی ہیں تو ان کے حسن و جمال، زیورات اور ملبوسات کا منظر چراغ اعوان نے کچھ اس انداز میں

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

بیان کیا:

کھڑیاں شوق کھیڈن دے کنوں آکھڑیاں بن پریاں
چوڑ مکھوڑے پہنچیاں گجرے دست کنگن بانہہ جڑیاں
ہار چندن چمکار کرن سینگار وڈے پنج لڑیاں

ٹھم ٹھم قدم ٹکاون سوہنیاں دست اُلارن دھڑیاں
سوہے لال سلارہے بوچھن پاند کناری زریاں (۱۹)

چراغ اعوان کی اس مثنوی میں بہت سے دیگر قصوں کے کرداروں سے ہٹ کر کرداروں کا ہونا ایک الگ تاریخ ہے۔ تاہم اس قصے کی تاریخ اور اسی نوع کے دیگر منظوم قصوں میں درج کرداروں کے ناموں کے بر خلاف اسماء کا اندراج قصے کے نئے پن کے کسی تجربے کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ من جملہ اس قصے کی زبان شگفتہ شستہ، مصرعے برجستہ اور عوام الاستعمال ہونے کی وجہ سے قبول عام ہونے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔

نورالدین مسکین (1845ء-1915ء) سرائیکی محقق میر حسان الحیدری نورالدین مسکین کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

''مولانا نورالدین ضلع مظفر گڑھ کے ایک عظیم خاندان 'اُوڈھانہ' میں اپنے وقت کے جید عالم اور درویش صفت بزرگ حافظ محمد عمر کے گھر ۱۸۴۵ء کے قریب پیدا ہوئے۔ آپ ایک جید عالم، مفتی دین اور اپنے وقت کے مقبول بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ ان کے ہم عصر تھے اور ان سے مسکین کے گہرے مراسم اور قریبی روابط تھے۔ مسکین نے سب سے پہلے مولوی لطف علی کی مشہوری مثنوی سیف الملوک کی بحر میں 'سسی پنوں' کی داستان منظوم کی جو ان کی شاعرانہ خوبیوں کو اجاگر کرنے میں خشت اول ثابت ہوئی۔ یہ داستان انہوں نے ۱۸۹۵ء / ۱۳۱۳ھ میں مکمل کی اس کے بعد قصہ ہیر ارنجھا کو نظم کا جامہ پہنایا جس نے انکی شہرت کو چار چاند لگا دیے''۔ (۲۰)

کیفی جام پوری کے مطابق: ''مولوی نورالدین مسکین سکنہ روہیلاں والی ضلع مظفر گڑھ نے 'ہیر ورانجھا' کے نام سے ایک مثنوی چودھویں صدی کے ربع اول میں لکھی جو اب تک کئی بار شائع ہو چکی ہے۔'' (۲۱)

نورالدین مسکین نے اپنی مثنوی خالصتاً مذہبی اور اخلاقی نقطہ نظر کے تحت تصنیف کی۔ وہ خود اپنی مثنوی میں فارسی عنوان 'غرض اصلی ازیں قصہ حقیقتاً بیان المعراج نبوی از ست مجازاً عشق۔ ہیر ورانجھا' کے تحت لکھتے ہیں:

سنو یارو میرا مطلوب دل دا
قصہ معراج دا سن ہوش ڈے کر
میرا مقصود رانجھن مصطفیٰ ؐ ہے

حقیقت ہیر توں اسلوب دل دا
رنجیٹے ہیر دے کوں پوش دے کر
تے جوگی لامکانی خود خدا ہے۔ (۲۲)

نورالدین مسکین کا قصہ ہیر رانجھا حقیقت اور مجاز کا حسین امتزاج ہے۔ وہ جہاں بھی ہیر رانجھا کے مجازی عشق کا کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں وہاں موقعہ محل کے مطابق سیرت نبویؐ کا کوئی تاریخی حوالہ بھی منظوم کر دیتے ہیں۔ مسکین کے قصہ میں دوسرے قصہ نویسوں سے ہٹ کر رانجھے کا اصلی نام 'رانجھن' بتایا گیا ہے وہ خود لکھتے ہیں:

رکھیونے شوق توں رانجھن اُوندا نام
جو ہا وچ حسن و خوبی دے دلا رام (۲۳)

مسکین کے قصے کا اختتام بھی دوسرے سرائیکی قصہ کاروں سے کچھ مختلف ہے جب رانجھا ہیر کو اپنے ساتھ لے کر فرار ہوتا ہے تو کھیڑے اسے راستے میں جا لیتے ہیں اور قاضی کی عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ قاضی مقدمے کا فیصلہ کھیڑوں کے حق میں دے کر ہیر ان کے حوالے کر دیتا ہے تو رانجھے کی بد دعا سے شہر کو آگ لگ جاتی ہے۔ مجبوراً قاضی اپنے فیصلے کو تبدیل کر کے ہیر رانجھے کے حوالے کر دیتا ہے اور یہ دونوں بیت اللہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں:

کرن پینڈے تے کڈہن ول نہ ساہی
ڈوہیں ہوئے طرف بیت اللہ دے راہی (۲۴)

۳۔ سید جلال کلیم:

سید جلال کلیم کے حالات زندگی کتب تاریخ میں بہت کم ملتے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے تو اپنی تحقیق میں ان کا ذکر تک بھی شامل نہیں کیا ہے۔ البتہ میر حسان الحیدری اور ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر نے ان کو مختصراً شامل ذکر کیا ہے۔

میر صاحب کے مطابق: ''سید جلال الدین شاہ کلیم حسینی البخاری بدلی ضلع رحیم یار خاں کے ایک سادات گھرانے میں ۱۸۴۶ء / ۱۲۶۳ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل والد ماجد سے اور علوم باطنی کا اکتساب حضرت سید مومن شاہ صاحب بکائی (ضلع رحیم یار خاں) سے حاصل کیا۔ خواجگان کوٹ مٹھن سے بھی حد درجہ عقیدت تھی۔ فطری طور پر غزل گو تھے۔ اپنے والد گرامی کی فرمائش پر 'سسی پنوں' کا مشہور واقعہ نظم کیا۔'' (۲۵)

کلیم کا قصہ 'ہیر ورانجھا' تاحال غیر مطبوعہ حالت میں ہے۔ راقم الحروف کو اس کا عکسی نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جو ضلع رحیم یار خاں کی تحصیل لیاقت پور کے نواحی علاقے 'الہٰ آباد' کے معروف محقق حبیب اللہ اویسی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ شاعر نے اپنے قصہ کی ابتداء حمد، نعت، صحابہ کرامؓ، امامینؑ کی شان، حضرت غوث الاعظم جیلانیؒ کی منقبت، تعریف خواجگان کوٹ مٹھن شریف اور ریاست بہاولپور کے نواب صادق محمد خان عباسی کی مداح

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

سرائی سے کی ہے۔ قصے کی ابتداء میں ہیر سیال چوچک کے گھر بیٹی کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں:

وہ دختر خوش اخترجائی نازو نویں انگوری
نادر نویں بہار کھلی خوش رنگ عجب پھلتوری
تھیاں خوشیاں شدیانے وجدے موج ڈتی مسروری
محفل جوڑ منگائی چوچک ڈنگ شراب انگوری (۲۶)

کلیم کے قصہ میں رانجھا کا نام دھیرن، اس کے باپ کا نام موجو اور رانجھا کے بھائیوں کی تعداد پانچ جبکہ رانجھا کو چار بھائیوں کا اکلوتا سوتیلا بھائی بتلایا گیا ہے۔ باپ کا اکلوتا چہیتا بیٹا ہونے کی وجہ سے چاروں سوتیلے بھائیوں کا رانجھے کے ساتھ سلوک برادران یوسف کا رنگ دھارنے لگتا ہے تو رانجھا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر رانجھے کی بھابھیاں اس کی بہت منت سماجت کرتی ہیں لیکن جب وہ ان کی ایک نہیں مانتا تو روانگی کے وقت یہ اسے اپنے زیور اتار کر دے دیتی ہیں۔ قصے میں ہیر کے خاوند کا نام علاول کھیڑا جبکہ علاول کے باپ کا نام کھیڑے خان بتایا گیا ہے۔ کلیم کے قصے پر چراغ اعوان کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ علاول کھیڑے کی برات کا جھنگ سیالاں آمد کا منظر ملاحظہ کریں:

کھیڑے خان صحن چوچک دے آ کر جنج اُتاری
کھیڑیاں نال سیال سبھے مل بیٹھے جوڑ کچاہری
سیمین ساق سُمن رُخ قامت سَرو صنوبر کڑیاں
کر سامان سیالیں کھیڑیاں آن جھمر وچ وڑیاں
سرخی پان کجل سر موتی مانگھ سُہاون دھڑیاں
دیم بنا دُھم دھام حُسن دے آن مقابل کھڑیاں (۲۷)

۴۔ اللہ بخش خادم:

مولوی حاجی اللہ بخش المعروف خادم مکھن بیلوی ساکن مکھن بیلہ تھانہ رہیلانوالی ضلع مظفر گڑھ کی زندگی کے احوال تفصیلاً تو کہیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ البتہ ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کے مطابق:

" ان کی تاریخ پیدائش ۱۸۶۰ء اور تاریخ وصال ۱۹۳۱ء ہے"۔ (۲۸) کیفی جام پوری نے 'سرائیکی شاعری' میں ان سے اپنی ایک دو ملاقاتوں کا احوال درج کیا ہے۔ ان کی خادم بیلوی سے پہلی ملاقات ۱۹۲۸ء میں ایمرسن کالج ملتان میں منعقدہ ایک بہاریہ مشاعرہ میں ہوئی جو ہر سال کالج کے پروفیسر اکبر منیر منعقد کراتے تھے۔ کیفی جام پوری کے مطابق:

"حاجی اللہ بخش خادم مکھن بیلہ ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی عمر میں جلال پور پیروالا میں

جا کر شیخِ وقت حضرت حافظ فتح محمد سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور درس نظامی کے فارسی نصاب کی تکمیل کی .... آخر میں انہوں نے شیعہ مسلک اختیار کر لیا اور اللہ بخش خادم سے خادم حسین خادم بن گئے لیکن کچھ کامیاب ذاکر ثابت نہ ہوئے۔ ایک دیہاتی تھیٹریکل کمپنی بنا کر گاؤں گاؤں گھومنے لگے آخر انہوں نے یہ کھیل خود ہی ختم کر دیا اور زندگی کے باقی دن خاموشی کے ساتھ گزار دیے"۔ (۲۹)

خادم بیلوی نے اپنا قصہ 'ہیر رانجھا جدید بطرز سیفل' جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے مولوی لطف علی کی مثنوی 'سیفل النامہ' کی طرز پر لکھا۔ قصہ کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو سرائیکی زبان کے ساتھ ساتھ عربی فارسی اور پوربی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ قصہ کے تمام عنوانات فارسی زبان میں درج کئے گئے ہیں۔ قصہ میں جابجا فارسی تراکیب موجود ہیں اور مصرے کے مصرے فارسی زبان میں تخلیق کیے گئے ہیں۔ کھیڑوں کی بستی سے ہیر اپنی ایک ہمراز عورت کے ہاتھ رانجھا کو جو پہلا خط لکھتی ہے وہ شاعر نے سرائیکی میں نظم کیا ہے۔ جبکہ ہیر نے رانجھا کو جواباً جو خط لکھا اس کا متن مکمل فارسی زبان میں ہے۔ اس سے شاعر کی فارسی دانی اور قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے:

نمونہ کلام:

شاہ حسن ذی جاہ معلّٰی مالک تخت ہزارا مدت مزید بعید شدہ تشدید جدید ہموارا
کرد فراق ہلاک مرا غمناک دلم صد پارا رفتی عہد شکستی جاناں رشک کیک رفتارا۔ (۳۰)

سرائیکی زبان میں لکھے ہیر رانجھا کے ۲۳ قصوں میں سے یہ اپنی نوعیت کا واحد قصہ ہے جسے اپنی ضخامت، منفرد انداز بیان، ثقافت نگاری، کردار نگاری، جذبات نگاری، منظر نگاری اور صنائع بدائع کے دلکش استعمال کی وجہ سے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ سرائیکی وسیب میں جس طرح مولوی لطف علی کے سیفل نامے کو زبانی طور حفظ کرنے کی روایت ملتی ہے بالکل اسی طرح خادم بیلوی کے اس قصے کے کچھ حافظ رحیم یار خان کے علاقے میں اب بھی مل جاتے ہیں۔

۵۔ ملک احمد بخش غافل سرائیکی محقق فیض بلوچ کے مطابق:

" احمد بخش غافل قصبہ گورمانی تحصیل کوٹ ادو میں ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پرائمری سکول قصبہ گورمانی سے حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے ڈیرہ غازی خان کے ایک مکتب سکول میں داخل ہوئے.... شاعرانہ ذوق کے حامل تھے اور ۱۹۶۰ء میں ۹۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳۱)

ملک احمد بخش گورایہ المعروف غافل گورمانی کی 'ہیر سیال غافل عرف سرائیکی ہیر رانجھا' سوال و جواب کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اب تک ہیر سیال غافل کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دارالاشاعت پنجاب آرٹ پریس سے شائع ہونے والے نسخے پر چھٹا ایڈیشن درج ہے۔ جبکہ قریشی بک ڈپو ملتان کی طرف سے شائع ہونے والے نسخے پر سن اشاعت ۱۳۳۶ھ لکھا ہوا ہے۔ اس قصے کے آخری بند میں سن تصنیف کے متعلق خود شاعر کا بیان ملاحظہ کریں:

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

تیرھاں سوتے چھتری ہجریدی تاریخ مشہور کرائی راہنداں
غافل اُٹھدیں بہندیں ہوئیں کلمہ محمدؐ پاک دا سنائی راہنداں[۳۲]

کل ۲۴۶ بندوں پر مشتمل احمد بخش غافل کے قصہ میں فنی اعتبار سے پختگی کی کمی محسوس ہوتی جبکہ اس قصہ میں طباعت کی غلطیاں بھی کثرت سے موجود ہیں اور اس بات کا احساس خود شاعر کو بھی تھا جس کا اظہار انہوں نے قصے کے آخری بند میں کیا ہے:

میں شاعر نائیں عالم ایویں سدا ہے سامڻے لائی رہنداں
کم وبیش دا لفظ معاف کرنا جو قافیے ردیف ملائی رہنداں
ہُݨ شاعری نہیں یاد میکوں کھپدا ڈینھ تے رات اجائی رہنداں
اپڻا غریب خانہ گورمانُی دے وچ وقت سفر دیوچ نبھائی رہنداں[۳۳]

قصہ میں رانجھے کا اصل نام دھیدو، اس کے والد کا نام موجو ہیر کی والدہ کا نام ملکانی اور اس کے خاوند کا نام نورنگ خان کھیڑا اور نورنگ کھیڑا کے والد کا نام اجو خان کھیڑ ابتایا گیا ہے۔ اگر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قصہ ہیر رانجھا کے روایتی ناموں اور مکامات کے لحاظ سے غافل کی ہیر اور دوسرے شعراء کے قصوں کے پلاٹ میں خاصہ فرق نظر آتا ہے۔ غافل کی ہیر میں رانجھا کے گھر چھوڑنے کی اصل وجہ تو بھائیوں اور بھابھیوں سے ناراضگی ہی بتائی گئی ہے لیکن رانجھا گھر چھوڑنے کے بعد سیدھا جھنگ کے قریبی مقام 'پیپل ملکانہ' پہنچتا ہے جہاں اس کی ملاقات ہیر کے والد چوچک سے ہوتی ہے۔ دوسرے قصہ نویسوں کی طرح اس قصہ میں نہ تو رانجھا دریا پار کرتا ہے اور نہ ہی دریا کنارے اُس کی ملاقات 'ہیر' سے ہوتی ہے بلکہ پیپل ملکانہ میں اُس کی رہائش کا سن کر چوچک خود اس کو اپنے گھر بلواتا ہے اور خود ہی اُسے اپنے گھر میں بیٹا بن کر رہنے کی پیشکش کرتا ہے۔ قصے میں ایک نیا اور متحرک کردار ہیر کی نند 'میھاں' نام کی لڑکی کا ہے۔ یہ سہتی کی بہن ہے لیکن دوسرے قصہ کاروں کے برعکس نہ تو یہ ہیر کی ہمراز ہے اور نہ ہی مراد بلوچ یا راموں بانبھن کی محبوبہ، بلکہ اس کا کردار غافل کے قصے میں ایک کنواری لڑکی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ مجموعی طور پر غافل کے قصہ میں ہیر او ر رانجھا دونوں کے کردار غیر متحرک نظر آتے۔ قصے کے اختتام پر ہیر اور رانجھے کا ملاپ دکھایا گیا ہے:

رانجھا گھن گیا ہیر عدالت اچوں کھیڑے ڈاڈھے شرمندے ہوئے نی
گواہی قاضی دی درست نہ پک سکی بے ایمان جڑاندے ہوئے نی[۳۴]

۶۔ سوبھا شجاع آبادی ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کے مطابق:

''سوبھا بستی واہی تاجے والا نذد شجاع آباد میں فاضل خان بلوچ کے گھر پیدا ہوا۔ شوکت مغل نے 'ملتان دیاں واراں' میں سوبھے خاں کی ایک ہیر کا ذکر کیا ہے۔ مولانا نور احمد خاں فرید نے بھی کسی زمانے میں سوبھے کی ہیر کا

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

ذکر اپنے ایک مضمون میں کیا تھا۔[۳۵]

ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ملتان کے مطابق: ''سوبھے خاں ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۰ء کو فوت ہوا''[۳۶]

حنیف چوہدری کے مطابق: ''سوبھے خاں کی شاعری کا ذکر سب سے پہلے ملتان ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ۲-۱۹۰۱ء میں آیا جبکہ تاریخ کے کسی ورقے میں ان کا نام نہیں ملتا''[۳۷]

ماسٹر سکھ رام شجاع آبادی اور مولانا نور احمد خاں فریدی دونوں اس بات متفق ہیں کہ سوبھے خاں نے قصہ ہیر رانجھا اپنے دوست میراں شاہ کی فرمائش پر تحریر کیا۔ ماسٹر سکھ رام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ پہلے میراں شاہ نے سوبھے خاں کو ہیر رانجھا کی داستان سنائی اور پھر سوبھے خاں نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔ سوبھے خاں کا قصہ ہیر رانجھا تقریباً ۱۱۸ اشعار مشتمل ہے جبکہ نور احمد خاں فریدی کے مطابق اس کے کل ۶۲ بند ہیں۔ سوبھے خاں کی ہیر کے ۱۹۵ شعار ماسٹر سکھ رام شجاع آبادی نے اپنے ایک مضمون کے نیچے درج کیے ہیں ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ اشعار ڈی آئی جگت رام سے زبانی سن کر تحریر کیے ہیں۔[۳۸]

سوبھے خاں کی ہیر اصل شکل میں محفوظ نہیں ملتی اس لیے اس میں قافیہ ردیف کی خامیاں بھی موجود ملتی ہیں۔ شاعر ہیر کے سراپے کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

پنی آن بلوغت کوں چا گرد نگاہاں بھالے
ٹور اُتے بُھل مور وٙنجن جیہندے سِر دے بشیئر کالے
نین جیہندے کھڑ ویݨ کرن بھجِ مارن ڈنگ اُبھالے
پیینگھاں جھوٹے ہیر سونہاری کُل سہیلیاں نالے[۳۹]

سوبھے خاں نے اپنے قصے کو بیان کرتے وقت زمینداروں کے ہاں کمیوں، کاسبیوں، قسم قسم کے کھانوں، شادی بیاہ کی رسموں، جہیز کے سامان، جوگیوں کے لباس، سانپوں اور گھوڑوں کی قسموں اور شادی کی دوسری ثقافتی راویات کو بہت ہنر مندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۷۔ شیخ امیر مجروح:

شیخ امیر مجروح شیخ دوست محمد کے گھر گرہ کہنہ شیر وڈیرہ اسماعیل خان میں ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ زمانہ طالب علمی سے ہی شاعرانہ ذوق کے حامل تھے ۔ قصہ 'ہیر و رانجھا' کے علاوہ قصہ 'سسی پنوں'، 'سوہنی مہینوال' اور 'شاہ بہرام' بھی آپ کی یادگاریں ہیں۔ آپ نے اپنا قصہ 'ہیر ورانجھا' ہیر وارث سے متاثر ہو کر دوستوں کی فرمائش پر نظم کیا۔ وہ خود لکھتے ہیں:

وارث شاہ دا اے عاجز ہے ہٙوں منت مرہون
مشتاق رضا دا نقش قدم ہے فخر میں مخزون

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

پیر پٹھانٙ دے فیض نرالے جڑے مصرعے گوناں گون
دوستاں دی فرمائش اُتے کُھلے دُرک درون(۴۰)

مجروح نے قصہ 'ہیر ورانجھا' اپنے روحانی استاد شیخ محمد فاضل مشتاق رضا کی نظموں 'سوہنی مہینوال' اور 'مرزا صاحباں' کی بحر میں قلمبند کیا۔ انہوں نے یہ قصہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۰ء کو لکھنا شروع کیا اور ۳ جون ۱۹۵۰ء کو مکمل کیا۔ ۱۹۹۵ میں اس قصہ کو پہلی دفعہ بلوچ برادرز اینڈ بک سیلرز بازار کلاں ڈیرہ اسماعیل خان والوں نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ مجروح نے اپنا قصہ کل ۱۳۰ اردو عنوانات کے تحت دو مختلف بحروں میں منظوم کیا۔ قصے کی زبان سادہ اور رواں ہے۔ کہیں کہیں ٹھیٹھ سرائیکی الفاظ اور محاوروں کا استعمال بھی ملتا ہے:

مجروح دل دھڑکدا ہیر دا اندروں گھبرڑا اے اسرارے
ہے ہمیشہ دھوں پہلوں دکھدا، بکھدے پھیر انگارے(۴۱)

قصے میں رانجھے کے باپ کا نام موجو جبکہ موجو کے ۸ بیٹوں اور دو بیٹیوں میں سے رانجھا کو سب سے چھوٹا اور لاڈلہ بیٹا بتایا گیا ہے۔ ہیر کے والد کا نام چوچک، ماں کا نام ملکی جبکہ اس کے خاوند کا نام سیدا کھیڑا بتایا گیا ہے۔ قصے میں دوسرے قصہ کاروں کے برعکس چوچک کے ہاں ہیر کی پیدائش اور نازواداکے ساتھ پل کر جوان ہونے جیسے واقعات کو قصہ میں شامل نہیں کیا۔ مجروح کے قصے میں ایک نیا کردار 'مٹھی نوانی' کا ہے، جو زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کا ہنر خوب جانتی ہے۔ جب کیدو کے شکایت لگانے پر چوچک رانجھے کو نوکری سے فارغ کر دیتا ہے تو اس کے ہیر سے میل ملاقات کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں اور وہ بہت مشکل میں پڑ جاتا ہے۔ آخر کار اس کی یہ مشکل اسی مٹھی نوائین کے ذریعے ہی حل ہو پاتی ہے:

مٹھی نوانٔی ہئی وچ جھنگ سیال دے رہندی
گھر سیالاں ساریاں دے او اکثر ویندی آندی
رانجھے دی ہائی پہلوں واقف ہمراز او وقت پیاں دی
پیچ و پیچ اڑی ہوئی گنڈھ کوں اٹکل نال چھڑاندی
کنہاں دے کم اوں راس کیتے ٹُٹیاں آساں او ورلاندی
گذر اوقات ہئی اوندی سوکھی آمد خوب کماندی
مجروح رانجھے وی ونج آکھیا پٹی بدھ میڈے زخماں دی
وس لگدے تائیں خدمت کرسوں شان تیڈی جو ٹھاندی(۴۲)

قصہ میں بیان ہوئے واقعات کے مطابق جب رانجھا ہیر کو رنگ پور سے اپنے ساتھ فرار کر کے چوچک کے گھر جھنگ پہنچتا ہے تو کیدو کے مشورے سے رانجھا کو بارات لانے کی غرض سے تخت ہزارہ بھیج کر پیچھے دھوکے کے ساتھ ہیر کو زہر دے دیا جاتا ہے۔ مجروح کے قصے میں ہیر اور رانجھا دونوں کے کردار زیادہ طاقتور اور متحرک نظر نہیں آتے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سرائیکی زبان میں داستان ہیر رانجھا کے قصوں کی ایک معقول تعداد موجود ہے۔ جن میں سے مذکورہ قصہ نویسوں نے کہیں تھوڑے تو کہیں زیادہ واقعاتی فرق کے ساتھ اپنی کہانیوں کو منطقی انجام تک پہنچایا۔ کسی قصہ گو کے ہاں مقامات کا فرق نظر آتا ہے تو کہیں کرداروں کے ناموں میں اختلاف ملتا ہے۔ لیکن ایک آدھ قصہ کار کو چھوڑ کر باقی قصہ کاروں کا مطمع نظر ایک ہی ہے۔ تمام قصہ کاروں کے ہاں کرداروں کی زبان اور طرز عمل بھی اپنی تہذیب سے مکمل طور پر ہم آہنگ اور فطری معلوم ہوتا ہے.

حوالا

۱-پرویز ڈاکٹر سجاد حیدر مختصر تاریخ زبان وادب سرائیکی اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان ۲۰۰۹ء ص ۲۹۰۔

۲۔ بیدی، باباگنگاسنگھ (مقدمہ)، ہیر دمودر بحوالہ ہیر دمودر دا سرسری مطالعہ، از محمد اصغر خاں سیال، مقالہ برائے ایم اے (سرائیکی(، شعبہ سرائیکی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، سیشن ۱۹۸۹-۹۱، ص:۱۱۔

۳۔ محمد آصف خاں (مرتب)، ہیر دمودر، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶ء، ص:۳۵۔

۴۔ سلطان پور کی بستی جھنگ سے شاہ جیونا روڈ پر چھ کوس کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔ جہاں قیام پاکستان سے قبل گلھاٹی ذات کے ہندو آباد تھے۔ محمد آصف خاں (مقدمہ) ہیر دمودر، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶ء، ص:۱۳۔

۵۔ دیوانہ، ڈاکٹر موہن سنگھ، بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند، جلد ۱۳، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص:۲۶۵۔

۶۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، (مرتب) چراغ اعوان دی ہیر (طبع دوئم) ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۲ء، ص:۱۴۔

۷۔ عذرا وقار، وارث شاہ عہد اور شاعری، اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، سنٹر آف ایکسیلینس، قائداعظم یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۷۔

۸۔ سیال، محمد اصغر خاں،، مقالہ برائے ایم اے (سرائیکی)، شعبہ سرائیکی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، سیشن ۱۹۸۹-۹۱، ص:۲۲۔

۹۔ جام پوری، کیفی، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۹ء، ص:۲۴۷۔

۱۰۔ کشتہ مولابخش پنجابی شاعری داتذکرہ مکتبہ پنج دریالاہور ۱۹۶۰ء ص ۵۲۔

۱۱۔ قریشی عبدالغفور پنجابی ادب دی کہانی لاہور عزیز بک ڈپو ۱۹۷۲ء ص ۲۱۸۔

۱۲۔ محمد سرور پنجابی ادب بحوالہ سرائیکی شاعری داارتقا از ڈاکٹر نصراللہ خاں ناصر ملتان سرائیکی ادبی بورڈ ۲۰۰۷ء ص ۳۳۳۔

۱۳۔ سیال اصغر علی ہیر دمودر دا سرسری مطالعہ مقالہ برائے ایم اے سرائیکی بہاولپور شعبہ سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی سیشن ۹۱- ۱۹۸۹ء ص ص:۳۷- ۳۸۔

۱۴۔ جام پوری، کیفی، سرائیکی شاعری ملتان بزم ثقافت ۱۹۶۹ء ص ۱۴۳۔

۱۵۔ اعوان، چراغ، چراغ اعوان دی ہیر (مرتبہ) ڈاکٹر طاہر تونسوی، (طبع دوئم) ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۲ء، ص:۲۷۔

۱۶۔ جام پوری، کیفی، سرائیکی شاعری ص ۱۴۳۔

۱۷۔ اعوان، چراغ، چراغ اعوان دی ہیر (مرتبہ) ڈاکٹر طاہر تونسوی، مذکور، ص:۵۴۔

۱۸۔ ناصر ڈاکٹر نصراللہ خاں' سرائیکی شاعری داارتقا ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷ء، ص ص:۳۳۵-۳۳۶۔

۱۹۔ اعوان، چراغ، چراغ اعوان دی ہیر (مرتبہ) ڈاکٹر طاہر تونسوی، مذکور، ص:۵۶۔

۲۰۔ حیدری، میر حسان، سرائیکی ادب (مقالہ) مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند، جلد ۱۴، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص:۳۳۲۔

۲۱۔ جام پوری، کیفی سرائیکی شاعری ص ۱۵۵۔

۲۲۔ مسکین، نورالدین مکمل قصہ ہیر رانجھا مرتبین مولوی فیض بخش محمد ذوالفقار تاجران کتب ملتان یونین پرنٹنگ پریس، سن۔ن۔ ص ۷۔

۲۳۔ مسکین نورالدین مکمل قصہ ہیر رانجھا ص ۹۔

۲۴۔ مسکین نورالدین مکمل قصہ ہیر رانجھا ص ۷۵۔

۲۵۔ حیدری، میر حسان، سرائیکی ادب (مقالہ) مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند، مذکور، ص:۳۱۸۔

۲۶۔ کلیم، جلال شاہ، قصہ ہیر و رانجھا (قلمی) مذکور، ص:۱۰۔

۲۷۔ کلیم، جلال شاہ، قصہ ہیر و رانجھا (قلمی)، مذکور، ص ص:۲۵-۲۷۔

۲۸۔ پرویز ڈاکٹر سجاد حیدر، مختصر تاریخ زبان وادب سرائیکی ص:۲۹۶۔

۲۹۔ جام پوری کیفی، سرائیکی شاعری ص:۳۰۸- ۳۰۶۔

۳۰۔ بیلوی، اللہ بخش خادم ہیر رانجھا جدید بطرز سیفل قلمی نسخہ فوٹو سٹیٹ ملکیہ ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر بہاولپور ص ۱۷۔

۳۱۔ بلوچ، فیض، غافل دی سرائیکی ہیر (مضمون) مشمولہ روزنامہ خبریں (وسیب سنگ)، ملتان، ۲۰ دسمبر ۲۰۱۲۔

۳۲۔ غافل ملک احمد بخش ہیر سیال غافل عرف سرائیکی ہیر رانجھا ملتان، قریشی بک ڈپو ۱۳۳۶ھ ص:۷۹۔

۳۳۔ غافل ملک احمد بخش ہیر سیال غافل عرف سرائیکی ہیر رانجھا مذکور، ص:۷۹۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ پرویز ڈاکٹر سجاد حیدر مختصر تاریخ زبان وادب سرائیکی ص ۲۹۸۔

۳۶۔ ملتان ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ۲- ۱۹۰۱ء، سپرنٹنڈنٹ، گورنمنٹ پرنٹنگ پریس، لاہور، کمشنر آفس، لائبریری، ملتان نمبر ۲- ۱۱۱(۵) ص: ۱۶۲ (انگریزی)۔

۳۷۔ حنیف، چوہدری، ہیر سوبھے خاں (مضمون) مشمولہ کھوج، شمارہ نمبر ۲، جنوری تا جون، ۱۹۹۷ء، ص:۵۔

۳۸۔ حنیف، چوہدری، ہیر سوبھے خاں مذکور، ص ص:۶، ۷۔

۳۹۔ حنیف، چوہدری، ہیر سوبھے خاں مذکور، ص:۱۰۔

۴۰۔ مجروح، شیخ امیر، قصہ ہیر سیال و میاں رانجھہ، ڈیرہ اسماعیل خاں، گومل آرٹ پریس، ۱۹۹۵ء، ص:۷۵۔

۴۱۔ مجروح، شیخ امیر، قصہ ہیر سیال و میاں رانجھہ، مذکور، ص:۵۔

۴۲۔ مجروح، شیخ امیر، قصہ ہیر سیال و میاں رانجھہ، مذکور، ص:۴۶.

Shah Abdul Latif Bhitai Chair